کرتے ہیں کہ امامت ان سے بخطِ مستقیم انکے بیٹے محمد تک پہنچی اور وہی امامت کے جائز وارث تھے[1] اس اعتبار سے کہ اسماعیلیہ فرقہ صرف سات اماموں کو تسلیم کرتا ہے، سبعیہ اور ہفت امامیہ بھی کہلاتا ہے شیعانِ اثنا عشری نے بھی وقتاً فوقتاً قرائن مصلحت کے مطابق اپنے مذہبی مسلک کو سیاسی رنگ دینے سے گریز نہیں کیا تھا چنانچہ ان کا بنو امیہ کے خلاف تبلیغ کرنا مسلّم ہے اور یہ بھی طے شدہ ہے کہ وہ امویوں کو ہٹا کر بنو ہاشم میں سے کسی کو کہ اولاد علیؓ میں سے بھی ہو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ آل عباس نے اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور فراست سے کام لیکر شیعانِ علیؓ کو بنو امیہ کی تخریب کے لیے استعمال کیا اور پھر خود امویوں کے جاہ وجلال اور حکومت کے وارث ہو گئے۔ تاہم عباسیوں کے زمانے میں بار بار علوی دعویداران سلطنت کا خروج ظاہر کرتا ہے کہ شیعہ سمجھتے تھے کہ جس مسند پر عباسی متمکن تھے ان پر بیٹھنا ان کا حق تھا۔

تیسری صدی ہجری کے وسط میں ایک شخص مسمی عبداللہ بن میمون القداح کو یہ خیال آیا کہ چپکے چپکے بنو عباس کی طرح اسماعیلیوں کے حق میں دعوت کا آغاز کرنا چاہیئے اور اسماعیلی فرقے کے لوگوں میں سے کاردان اور مصلحت کیش آدمی انتخاب کرکے تمام ممالک اسلامی میں بھیجے جائیں کہ جہاں فضا مناسب دیکھیں اور زمین ہموار ہو وہیں اسماعیلیوں کی سلطنت قائم کرنے کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔ قداح کے دستِ راست داعیوں میں ایک شخص ملقب بہ قرمط بھی تھا جس کے نام سے قرمطی فرقہ منسوب ہے اس نے اسماعیلیوں کے حق میں بڑے زور شور سے دعوت کا آغاز کیا لیکن عامۃ المسلمین کی مخالفت کی وجہ سے ایران اور ملحقہ منطقوں میں ایک نئی سلطنت کے قیام کا امکان کم نظر آتا تھا۔ قرمط عراق کا رہنے والا تھا اس نے کئی جفاکوش اسماعیلی افریقہ بھجوائے کہ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں۔ قرمط اپنے وطن میں مقتول ہو گیا لیکن اس کا کام جاری رہا عبداللہ بن میمون القداح بھی ۲۶۱ ہجری میں فوت ہو گیا لیکن اس کے اور قرمط کے داعی برابر کام کرتے رہے یہاں تک کہ قداح کے پوتے سعید بن الحسین (بن میمون القداح) کو معلوم ہوا کہ افریقہ میں ایک نئی سلطنت کے قیام کے لئے فضا سازگار ہے اور تیونس کے لوگ اسماعیلی عقائد کی خوبی پر ایمان لاتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ شخص یعنی سعید بن الحسین افریقہ پہنچا اور وہاں جاکر اس نے ظاہر کیا کہ میرا نام ابو محمد عبیداللہ ہے اور میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے بیٹے اسماعیل کا پڑپوتا ہوں[2]۔ قبیلوں میں اسماعیلی عقائد خاصے مقبول ہو چکے تھے سعید نے جو دیکھا کہ ہوا کا رُخ موافق ہے تو مہدی موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا اور افریقہ کے قبیلوں کو بشارت دی کہ جس امام برحق کے تم لوگ اب تک منتظر تھے وہ آپہنچا ہے اور دین اسلام کی اشاعت میں تمہاری اعانت کا طالب ہے چنانچہ سعید نے مہدی کا لقب اختیار کر کے اور خود کو اسماعیل کے بیٹے محمد کا پوتا ظاہر کر کے افریقہ میں خلفائے فاطمی مصر کے دودمانِ جلیل کی بنیاد رکھی جنھوں نے قریباً تین سو سال تک مصر و شام و حلب پر بہت طمطراق سے حکومت کی۔ یہ خلفائے فاطمی مصر حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی اولاد ہونے کے مدعی تھے لیکن تمام ممالک اسلامی کے فرمانروا انکے اس دعویٰ کی تکذیب کرتے تھے اور

ح۱ اسماعیلیوں کا یہ بیان ہے کہ امام اسماعیل حضرت امام جعفر صادق کی وفات کے پانچ سال بعد فوت ہوئے۔ اور ان کی وفات کی غلط خبر کی تشہیر نیز نمائشی جنازہ اور تدفین کا سبب ان کو دشمنوں کی سازشوں سے محفوظ رکھنا تھا۔ (تاریخ اسماعیلیہ، پہلے صفحہ ۱۱) (ادارہ)

ح۲ تاریخ جہاں کشائے جوینی جلد سوم صفحہ ۱۶۰/۱۵۴۔ قزوینی کے نوٹ صفحہ ۳۱۳، ۳۱۴۔

اور ان کا یہ دعویٰ تھا کہ اس خاندان کا موسس مہدی حقیقت میں قداح ایرانی کا پوتا تھا اور ہرگز حضرت علیؓ اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے نہ تھا[1]۔ خلفائے فاطمی مصر کا شجرہ بہ تفصیلِ ذیل ہے:

سال ہجری (جلوس)		نام خلیفہ
۲۹۷	(۱)	مہدی ابو محمد عبداللہ (سعید بن الحسین بن میمون القداح)
۳۲۲	(۲)	قائم
۳۳۴	(۳)	منصور
۳۴۱	(۴)	معز
۳۶۵	(۵)	عزیز
۳۸۶	(۶)	حاکم[2]
۴۱۱	(۷)	ظاہر
۴۲۷	(۸)	مستنصر[3]
۴۸۷	(۹)	مستعلی
۴۹۵	(۱۰)	منصور
۵۲۵	(۱۱)	حافظ
۵۴۴	(۱۲)	ظافر
۵۵۵	(۱۳)	عاضد
۵۶۷		

خلفائے فاطمی مصر کا دودمان بالآخر سلاطین ایوبی کے ہاتھوں مسخر ہو گیا لیکن ۲۰۰ سال کے عرصہ میں ان لوگوں نے اسماعیلی عقائد کی تبلیغ کیلئے ایسا کام کیا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ قاہرہ میں اس مسلک کی ترویج تبلیغ اشاعت اور دعاۃ کی تربیت کے لئے ایک ادارہ قائم تھا جو نہایت منظم طریقے سے کام کرتا تھا (تفصیل کے لئے ناصر خسرو کے سفر نامے کی طرف رجوع کرنا چاہیئے)

پہلے کہا جا چکا ہے کہ ممالک اسلامی کے دوسرے فرمانرواؤں نے اس خاندان کا دعویٰ کبھی درست تسلیم نہیں کیا کہ یہ لوگ فاطمہؓ زہرا اور حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔ دروزی جو اس خاندان کے چھٹے بادشاہ حاکم[2] کو خدا کا اوتار تسلیم کرتے ہیں یہ مانتے ہیں کہ اس دودمان کا بانی سعید تھا جو میمون القداح کا پوتا تھا۔

قرمطی اگرچہ خلفائے فاطمی سے کٹ گئے تھے لیکن ان کو اپنا حلیف سمجھتے تھے اور دوسرے اسلامی فرمانرواؤں کو غاصب خیال کرتے تھے۔ ان قرمطیوں کی وجہ سے کئی بار عراق اور عرب کے مختلف شہروں میں کشت و خون ہوا چنانچہ ۳۱۷ ہجری میں ابوطاہر قرمطی نے مکہ کے لوگوں کو جی بھر کے لوٹا عورتوں کی بے حرمتی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس فساد اور آشوب کے زمانے میں تیس ہزار کے قریب مسلمان قرمطیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان لوگوں کے اثر و رسوخ کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ سر پرسی سائکس کے

---

[1] اسماعیلیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مہدی امام اسماعیل کا پڑپوتا تھا اور اسکے سید ہونے سے انکار سیاسی اسباب کی بنا پر کیا جاتا تھا۔ (ادارہ)

[2] حاکم: اس فرمانروا نے خدا کا اوتار ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے وزیر حمزہ الدروزی نے اس دعوی کی تائید کی اس فرقے کے لوگ اب تک باقی ہیں اور دروزی ہی کہلاتے ہیں۔ [3] مستنصر: ناصر خسرو اور حسن بن صباح اسی کے زمانے میں قاہرہ آئے ہیں کہ اس خاندان کا پایہ تخت ہو گیا تھا۔ مستنصر کی جانشینی کیلئے مستعلی اور نزار میں (دونوں مستنصر کے بیٹے تھے) جھگڑا ہوا۔ حسن بن صباح نے نزار کیلئے تبلیغ و اشاعت کے کام کا بیڑا اٹھایا اس تحریک کو دعوت جدیدہ کہتے ہیں تفصیل آگے آتی ہے۔ حاکم کی موت بھی عجیب پُر اسرار طریقے سے ہوئی غالباً کسی نے اسے قتل کر دیا اور وہ ایسا غائب ہوا کہ اس کا نشان تک نہ ملا اس کے پیرو اس گمشدگی کو بھی ایک معجزہ تصور کرتے ہیں کہ وہ صرف نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے، ورنہ زندہ تو ہر جگہ طاری و ساری ہے

قول کے مطابق (تاریخ ایران جلد دوم) ۲۹۶ھ میں ملتان کا حاکم قرمطی تھا جب تک ہلاکو خان نے اس فرقہ اور اسماعیلیوں کے مختلف فرقوں کا زور نہیں توڑا یہ لوگ برابر ایران میں اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے رہے اور عامۃ المسلمین کو جہاں تک ہو سکا تکلیف پہنچاتے رہے۔

ہم ناصر خسرو اور حسن بن صباح کا ذکر بہ طریقِ اجمال تو کر چکے ہیں لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ان دونوں اسماعیلی مبلغوں کا تفصیلی ذکر قلمبند کیا جائے۔ مقدم الذکر واقعی دیانتداری سے اسماعیلی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کرتا رہا اور دکھ اٹھاتا رہا۔ مؤخر الذکر یعنی حسن بن صباح کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ واقعی اسمٰعیلی عقائد کی دیانتداری سے پیروی کرتا تھا یا اپنی مطلب برآری کیلئے اس نے ایک ڈھونگ یہ بھی رچا رکھا تھا۔ قیاس یہی جاتا ہے کہ حسن بن صباح نے بھی اسماعیلیوں کی تحریک اور ان کے نظام کو اسی طرح ذاتی اقتدار حاصل کرنے کے لیئے استعمال کیا ہو جس طرح خلفائے فاطمی مصر کے موسس قداح کے پوتے نے کیا تھا۔ اب ان دونوں یعنی ناصر خسرو اور حسن بن صباح کے متعلق گفتگو ذرا تفصیل سے کی جاتی ہے۔

حکیم ناصر خسرو بن حارث قبادیانی ۳۹۴ ہجری میں قبادیان میں متولد ہوا کہ حوالیٔ بلخ میں واقع ہے۔ شروع ہی سے مذاہب کی تحقیق و تدقیق کا شوق تھا۔ علوم و فنون رسمی سے آراستہ ہو چکا تو پہلے مسعود غزنوی[۱] کی ملازمت اختیار کی، پھر آلِ سلجوق کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ ۴۳۷ھ میں اس نے ملازمت سے استعفا دیدیا اور اس سفر پر روانہ ہو گیا جس نے سات سال طول کھینچا تھا۔ اس سفر کے دوران میں ناصر خسرو نے حج بھی کیا اور ایشیائے کوچک شام اور مصر کی سیاحت بھی کی۔ مصر میں ان دنوں مستنصر حکمران تھا جو خلفائے فاطمی کے سلسلے کا آٹھواں خلیفہ تھا۔ قاہرہ میں اسماعیلی مذہب کے داعیوں نے ناصر خسرو کی بہت آؤ بھگت کی اور ناصر بھی مصر کے حالات اور قاہرہ کی تمدنی کیفیت سے ایسا متاثر ہوا کہ وہیں ٹھہر گیا۔ مذاہب و ادیان کے اصول تو ہمیشہ سے زیر مطالعہ رہے تھے اب قاہرہ میں جو اسماعیلیوں کا نظام دیکھا اور ان کے مذہب کی باریکیوں سے آشنا ہوا تو اس مذہب کی حقانیت کا قائل ہو گیا۔ اس پر اس مذہب کے تمام رموز و اسرار کے ابواب وا کر دیئے گئے اور خلیفہ فاطمی نے اسے حجتِ خراسان مقرر کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ خراسان کے پورے صوبے میں وہی اسماعیلیوں کا سب سے بزرگ نمائندہ تھا اور تبلیغ و اشاعت کی نگرانی اس کے سپرد تھی۔ وہ ایران لوٹا تو اس نے حسبِ وعدہ اسمٰعیلی عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا کام بڑے زور شور سے شروع کیا، لیکن عامۃ المسلمین اس گروہ کے سخت مخالف تھے، اس لئے ناصر خسرو کو لوگوں کے ہاتھوں سخت تکلیفیں اٹھانی پڑیں اسکے باوجود وہ جہاں تک بن پڑا تبلیغ و اشاعت کے کام میں مصروف رہا۔ آخر کار عامۃ المسلمین کی مخالفت اتنی شدید ہو گئی کہ وہ ۴۵۶ھ میں یمگان چلا گیا کہ بدخشاں کے قریب واقع ہے۔ یہاں اس نے کم و بیش پندرہ سال گوشہ گیری اور عزلت نشینی میں بسر کئے اور آخر ۴۸۱ھ میں وفات پائی۔ وہ خود کہتا ہے:

گرچہ مرا اصل خراسانی ست — از پس پیری و مہی و سری

دوستی و عزتِ آلِ رسولؐ — کرد مرا یمگی[۲] و مازندری

---

[۱] یہ مسعود اوّل ہی ہو سکتا ہے (۴۲۱ھ-۴۳۲ھ) کیونکہ ۴۳۷ھ میں تو ناصر خسرو اپنے سفر پر روانہ ہو چکا تھا۔ [۲] یمگی یعنی یمگان کا ساکن۔

ناصر خسرو کا سفرنامہ اور ایک دوسری تصنیف زاد المسافرین بہت مشہور ہے سفرنامہ اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اس پر عبدالرزاق صاحب مؤلف البرامکہ نے نہایت مفید اور مستند حواشی کا اضافہ کیا ہے۔ اس کا کلیات نظم بھی شائع ہو چکا ہے اور تمام قصیدے، تمام اشعار بدون استثناء اخلاقی اقتدار کی تبلیغ و اشاعت پر مشتمل ہیں (خاص طور پر اسمٰعیلی عقائد کی اقدار) ناصر خسرو کی کلیات اشعار کے مطالعے سے اسماعیلی عقاید کی تفصیلات بخوبی دریافت ہو سکتی ہیں۔

حسن بن صباح کا نام تو تاریخ میں بہت مشہور ہے افسانوں اور ناولوں میں بھی اس کی جنت ارضی کا ذکر موجود ہے اس کے گروہ یعنی حشیشین نے انگریزی زبان کو ایک نیا لفظ بھی عطا کیا ہے یعنی ASSASSIN (جس کے معنی ہیں ہلاک کرنے والا) لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس شخص کی زندگی کے متعلق بہت کم صحیح معلومات ہم تک پہنچی ہیں، یہاں تک کہ اس کی تاریخ ولادت بھی قطعی طور پر متعین نہیں کی جا سکتی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے ذرا ہوش سنبھالا اور پر پرزے نکالے تو اسماعیلیوں کے داعی کبیر عبدالملک بن عطاش کی خدمت میں پہنچا کہ مطالعے کے بعد اس کا میلان بھی اسماعیلیت کی طرف ہو گیا تھا، عطاش حسن بن صباح کی ذکاوت اور ہوشیاری سے آگاہ ہوا تو خوب جی لگا کر اسے اسماعیلی عقاید کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا اور اس کے بعد مشورہ دیا کہ تم ذہین اور فطین معلوم ہوتے ہو، مناسب ہے کہ تم بذات خود خلیفہ فاطمی کی خدمت میں حاضر ہو شاید تم سے کوئی اہم کام لینا مقصود ہو، حسن بن صباح نے اس مشورے پر عمل کیا اور مصر جا پہنچا، ان دنوں بھی مصر پر مستنصر فرمانروا تھا (یہ ۴۶۷ھ کا واقعہ ہے)

حسن بن صباح[1] قاہرہ میں اسماعیلیوں کے اکابر کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن عجیب اتفاق ہے کہ خلیفہ سے ملنے کی سعادت اسے حاصل نہ ہو سکی اتفاق ہے کہ ان دنوں مصر میں یہ مسئلہ بہت نازک ہو گیا تھا کہ مستنصر کے بعد اس کا جانشین اور منصب امامت کا وارث کون ہو مستنصر کے دو بیٹے تھے مستعلی اور نزار، باپ چاہتا تھا کہ منصب امامت و خلافت مستعلی کو ملے لیکن نزار خود سریر آرائے سلطنت ہونا چاہتا تھا اس مسئلے پر مصر میں دو فریق وجود میں آ گئے تھے حسن بن صباح نے فیصلہ کیا کہ حقدار نزار ہے اور اس کی تخت نشینی کیلئے جد و جہد میں مصروف ہو گیا۔ مصر سے لوٹا اور ایران پہنچا تو نزار کے حق میں تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا اس تبلیغ کو دعوت جدیدہ کہتے ہیں اور یہی دعوت، دراصل ایران میں اسماعیلیوں کے اقتدار حاصل کرنے کا موجب ہوئی مستنصر کے مرنے کے بعد مستعلی تخت پر بیٹھا لیکن حسن بن صباح اور اس کے رفیق برابر نزار کی طرفداری کرتے رہے۔ دراصل نزار کی طرفداری اور اسمٰعیلی عقاید کی تبلیغ و اشاعت تو ایک وسیلہ تھا اصل مقصد تو حسن بن صباح کا یہ تھا کہ ایران کے کسی حصے میں اپنی خود مختار سلطنت قائم کرے اور اس مقصد کے حصول میں اسماعیلیوں کے نظام اور اسماعیلیوں کی دینی عصبیت سے فائدہ اٹھائے، یہ بات یوں ثابت

---

[1] پرسی سائکس کی تحقیقات کے مطابق ایک کوفی کا لڑکا تھا اور قم میں پیدا ہوا تھا پہلے وہ اثنا عشری شیعہ تھا لیکن ناصر خسرو سے ملاقات ہوئی تو اس کا میلان اسماعیلی عقاید کی طرف ہو گیا پہلے ناصر خسرو نے اس کی تربیت کی اور اس کے بعد دوسرے اسماعیلی اکابر نے اسے اس مسلک کے رموز سے آگاہ کیا انھیں کے مشورے کے مطابق وہ مصر گیا اور واپسی پر دعوت جدیدہ کا سلسلہ قائم کیا جو سر آغا خان کے مسلک کی صورت میں اب تک قائم ہے۔ پروفیسر براؤن بھی کم و بیش یہی لکھتے ہیں۔

ہوتی ہے کہ نزار کی موت کے بعد بھی حسن بن صباح اور اسکے رفقا نے دعوتِ جدید کو جاری رکھا آہستہ آہستہ حسن بن صباح کا زور بڑھتا چلا گیا اور ۴۸۳ھ میں اس نے حیلے سے مشہور قلعے الموت[1] پر قبضہ کر لیا جو قزوین سے رشت جانے والی شاہراہ کے نزدیک ہی واقع تھا اسکے بعد حسن کا اقتدار روز افزوں ہوتا چلا گیا۔ قہستان میں تون[2]، خوسف[3] اور کئی دوسرے مقامات پر اس کے رفقا نے قبضہ کر لیا یوں کہنا چاہیئے کہ حسن بن صباح آخر کار اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور اس نے ایران میں اپنی ایک خود مختار سلطنت قائم کر ہی لی

حسن بن صباح کی زندگی ہی میں سلجوقی بادشاہ عموماً اور ان کا زیرک و بالغ نظر وزیر نظام الملک طوسی[4] خصوصاً بھانپ گیا تھا کہ حسن کی وجہ سے ایران میں فتنے برپا ہونگے اور فساد کے ابواب وا ہو جائینگے، چنانچہ کوشش بھی کی گئی کہ حسن بن صباح کی طاقت توڑ دی جائے یہ تو ممکن نہ ہو سکا البتہ حسن بن صباح کے گروہ کے ایک فدائی نے نظام الملک کا کام تمام کر دیا۔ یہ ۴۸۵ ہجری کا واقعہ ہے رمضان کے مہینے کی دسویں تاریخ تھی کہ ایک دیلمی نوجوان ابوطاہر نامی بظاہر ایک عریضہ پیش کرتے ہوئے آگے بڑھا اور فوراً خنجر نکال کر نظام الملک کے سینہ میں پیوست کر دیا بعض مورخ لکھتے ہیں کہ ملک شاہ کے نئے وزیر تاج الملک کی سازش بھی اس معاملہ میں شریک کار تھی لیکن اس الزام کا کوئی ثبوت مہیا نہیں ہو سکا نظام الملک نے اپنی تحریروں میں اسماعیلیوں اور دوسرے اس قسم کے فرقوں کو ہدف لعن و طعن بنایا تھا۔ یہی اسکی ہلاکت کیلئے کافی تھا کچھ یہ کہ وہ حسن بن صباح کی طاقت توڑنے کے درپے رہا تھا اور حسن کو خوف تھا کہ جبتک نظام الملک زندہ ہے وہ برابر سلجوقی بادشاہوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہیگا کہ اسماعیلیانِ ایران کی تراز واقعی سرکوبی کی جائے

حسن بن صباح نے ۳۴/۳۵ سال حکومت کرنے کے بعد ۵۱۸ ہجری میں وفات پائی۔

حسن بن صباح کے کردار و سیرت کے متعلق مورخوں میں شدید اختلاف رائے رہا ہے جو لوگ اسماعیلی عقائد کے پیرو ہیں وہ تو ظاہر ہے کہ حسن کو امام برحق کا نائب تسلیم کرتے تھے۔ غیر اسماعیلی مورخوں نے اس کے متعلق متضاد باتیں لکھی ہیں، ایک فریق تو یہ کہتا ہے کہ حسن ابن الوقت تھا، اور اس نے ذاتی اقتدار حاصل کرنے کیلئے دعوتِ جدید کا ڈھونگ رچایا تھا دوسرے فریق کا یہ

---

[1] الموت: قزوین کے شمال مغرب میں وہ پہاڑ تھے جن کی چوٹیوں پر اسماعیلیوں کے قلعے واقع تھے انھیں میں الموت بھی تھا جو ان کا مستقر حکومت تھا۔ کہتے ہیں کہ طبرستانی کی زبان میں الموت کے معنی آشیانۂ عقاب، یا یافتہ عقاب ہیں۔ روایت ہے کہ ایک دیلمی بادشاہ کا شکاری عقاب اتفاق سے یہاں آ بیٹھا تھا بادشاہ نے جگہ مناسب جان کر قلعہ تعمیر کروا دیا قزوینی جو اس تمام علاقے سے بخوبی واقف تھا لکھتا ہے کہ اس قلعے کے گرد گہرے اور خوفناک غار تھے جنکی وجہ سے یہ قلعہ عملاً ناقابلِ تسخیر ہو گیا تھا۔ [2] تون: قہستان کے علاقہ کا صدر مقام قاین تھا یہاں بھی اسماعیلیوں کا بہت زور تھا۔ تون قاین شہر سے پچاس میل کے فاصلے پر مغرب میں کسی قدر مائل بہ شمال واقع تھا یہاں ایک قلعہ بھی تھا۔ [3] خوسف: یہ بھی قہستان کے صوبہ میں واقع تھا اور خاصہ بڑا شہر تھا اس شہر کو بعض مورخ خوست بھی لکھتے ہیں (شاید یہی نام صحیح بھی ہے) یہاں بھی ایک مضبوط قلعہ تھا جسے اسماعیلیوں نے اور بھی مستحکم کر لیا تھا۔

[4] نظام الملک طوسی: سلاجقۂ کبیر کے زمانہ کا مشہور و معروف مدبر اور وزیر جس کی کتاب سیاست نامہ آج تک بے نظیر تصور کی جاتی ہے ان مدارس کا سلسلہ قائم کرنے کا سہرا جنھیں نظامیہ کہا جاتا ہے اس وزیر بزرگ کے سر ہے۔ یہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ نظام الملک، عمر خیام اور حسن بن صباح ہم درس تھے اور تینوں نے ایک دوسرے کی معاونت کا وعدہ کیا تھا غلط محض ہے اور بہت سے فاضل اس بات کو جھٹلا چکے ہیں۔

خیال ہے کہ وہ دیانتداری سے اسماعیلی مسلک کو برحق سمجھتا تھا اور اپنے مقبوضات میں امور شرعی کے نفاذ میں بہت سخت گیر تھا۔ اب یہ فیصلہ کرنا کہ حسن کے اعمال کی محرک کیا چیز تھی مشکل ہے کیونکہ اس کی زندگی میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جن سے متضاد نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ جب وہ مصر سے لوٹ رہا تھا تو راہ میں اس جہاز کو جس میں وہ سوار تھا طوفان نے آ لیا تھا سب لوگ گھبرا گئے اور خدا کو یاد کرنے لگے لیکن حسن ذرا پریشان نہ ہوا اور غایت اطمینان سے بیٹھا رہا۔ جب ہمسفروں نے اس کا یہ اطمینان کامل ملاحظہ کیا تو حیران ہو کر پوچھا کہ موت سر پر کھڑی ہے اور تم یوں مطمئن بیٹھے ہو گویا کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ حسن نے کہا مجھے امام برحق کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ جہاز غرق نہیں ہوگا اور طوفان ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ طوفان تھم گیا اور جہاز سلامتی سے کنارے جا لگا۔ ظاہر ہے کہ ہمسفروں کے دل پر حسن کی عظمت کا سکہ بیٹھ گیا ہوگا۔ اب جو لوگ حسن کے تقدس اور اس کی نیابت امام کے معتقد نہیں وہ استدلال کر سکتے ہیں کہ حسن کا یہ کہنا کہ جہاز غرق نہیں ہوگا اس کی فراست کی دلیل ہے۔ اور بس اگر جہاز غرق ہو جاتا اور مسافر ڈوب جاتے یا ادھر ادھر بکھر جاتے تو حسن سے مواخذہ کرنے والا کون باقی ہوتا کہ تم نے جھوٹ پیشین گوئی کی تھی اور جہاز غرق ہونے سے بچ گیا تو حسن کو خواہ مخواہ کی شہرت حاصل ہو گئی۔

عبدالرزاق، مؤلف نظام الملک طوسی، نے بھی دو اونٹ والوں میں انعام کی تقسیم کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حسن بن صباح نے محض اپنی ذہانت سے نظام الملک کے فیصلہ کو غلط اور اپنے بظاہر ناقابل یقین فیصلہ کو درست ثابت کر دیا۔

حسن کی ذکاوت اور ذہانت کی داستانوں کے علاوہ اس کے نام کے ساتھ برابر ایک جنت ارضی کی تعمیر بھی منسوب چلی آتی ہے اور تاریخیں ہوں یا ناول اور افسانے یہ تواتر و تسلسل اس "فردوس بریں" کا ذکر کرتے ہیں جس کا نقشہ (نا تمام ہی سہی) عبدالحلیم شرر مرحوم نے اپنے اسی نام کے ناول میں کھینچا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ طے کرنا مشکل ہے کہ آیا حسن بن صباح کے عہد میں یہ جنت ارضی وجود میں آ گئی تھی لیکن یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ کسی نہ کسی صورت میں یہ جنت ارضی موجود ضرور تھی کیونکہ بعض دوسرے واقعات (مثلاً حشیش کا استعمال) اس طرح اس افسانے سے مربوط ہیں کہ اگر اس بات کو تسلیم نہ کیا جائے تو بہت سی حقیقتوں کو جھٹلانا پڑے گا۔ مارکو پولو وینس کا مشہور سیاح سفرنامے میں لکھتا ہے، کہ شیخ الجبل نے (یورپ والے ایران کے اسماعیلیوں کے سردار کو اسی نام سے پہچانتے تھے)۔ دو پہاڑیوں کے درمیان ایک پر بہار وادی کو جنت ارضی میں تعمیر کر دیا تھا جہاں دودھ، شہد اور شراب کی نہریں بہتی تھیں اور دلکشا محلات میں۔ قبول صورت حوریں خوش نما لباس پہنے ان خوش نصیب فدائیوں کی منتظر رہتی تھیں جن کو اس جنت ارضی میں لایا جاتا تھا۔ انہیں اس جنت میں پہنچنے سے پہلے ایک زہرناک چیز پلا دی جاتی تھی کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہو جاتے تھے (یہ بھنگ تھی) جنت ارضی میں پہنچنے کے بعد کچھ دن وہ ناز و نعمت میں بسر کرتے تھے اور آخر شیخ الجبل کا حکم انکی خاص محبوب حور ہی کے ذریعے موصول ہوتا تھا کہ فلاں آدمی کا کام تمام کر دو یا فلاں کام کرو۔ فدائی (جو اس جنت میں داخل کئے جاتے تھے) شیخ الجبل کے فرمان کے مطابق اسماعیلیوں کے خون گرفتہ شکار کو ہلاک کر دیتے تھے اور پھر انہیں بھی انعام ملتا تھا کہ مزے لوٹنے کے لئے کچھ دنوں کیلئے پھر جنت ارضی میں بھیج دیئے جاتے تھے، ان

فدائیوں نے بہت سے مشاہیر کو ہلاک کیا ہے جن کی فہرست طویل ہے۔ صلیبی جنگوں میں عیسائی فوجوں کے سردار ان فدائیوں کا نام سنکر لرز جاتے تھے یہ جنت ارضی غالباً قہستان ہی میں کہیں واقع ہوگی جہاں اسماعیلیوں کے قلعوں کا گویا سلسلہ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ یہ بات وضاحت سے بیان کردینی چاہیئے کہ حسن بن صباح کے مذہبی معتقدات کچھ ہی کیوں نہ ہوں اور اسکے فدائیوں نے کتنے ہی مشاہیر اسلام کو موت کے گھاٹ کیوں نہ اُتارا ہو خود وہ علوم معقول و منقول میں دسترس رکھتا تھا اور صاحب تصنیف و تالیف بھی تھا۔

اسماعیلیوں کی دو تحریکوں کا ذکر ہو چکا ہے ایک تو وہی تھی جس کا سرگرم ترین مبلغ ناصر خسرو تھا اور دوسری "دعوت جدید" جو حسن بن صباح کے نام سے منسوب ہے لیکن ابھی تک ان لوگوں کے عقاید کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ اسماعیلیوں کی تحریک کی جو ابتدائی صورت تھی اس کے متعلق ایوانافؔ[1] نے دو کتابیں نہایت عالمانہ سپرد قلم کی ہیں۔ دعوتِ جدید کے آغاز کے بعد بھی اس فرقے کے عقاید و افکار میں چنداں تغیر واقع نہیں ہوا۔ مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ اس فرقے کے پیشوا مذہبی عقاید و افکار کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے خواہشمند تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ عقل و خرد جو انسان کو بخشی گئی ہے ناقص ہے اور مذہب حقہ کی دریافت میں معاون نہیں ہو سکتی اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر محض عقل و خرد کے ذریعہ انسان دریافت کر لیتا کہ کونسا مذہب راستی پر ہے تو کوئی شخص گمراہ نہ ہوتا اور دنیا میں صرف ایک مذہب ہوتا کیونکہ عقل و خرد تو ہر شخص کم و بیش رکھتا ہے اسلیئے یہ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ انسان کی عقل ناقص کو جلا دینے کے لیئے تعلیم کی ضرورت ہے۔ اسی بنا پر یہ فرقہ تعلیمیہ بھی کہلاتا تھا۔ تعلیم سے مراد مدرسے یا مکتب کی تعلیم نہ تھی بلکہ امام وقت کی تعلیم تھی۔ اولین حضرت علیؑ تھے اور ساتویں اس فرقہ کی نظر میں اسماعیل، جو اپنے داعیوں، نقیبوں اور رفیقوں کے ذریعے دین حقہ کی نشر و اشاعت کرتا رہتا تھا۔ صرف امام یا اس کا نائب ہی ان اسرار و رموز کا محرم تھا جو ان سب کے دقیق نکات سے متعلق تھے قرآن مجید کے الفاظ کے ان کے خیال کے مطابق ظاہری معنی اور تھے اور باطنی معنی اور اسی اعتبار سے یہ فرقہ باطنیہ بھی کہلاتا ہے۔ ان باطنی معانی سے صرف امام یا اس کا نائب آگاہ ہوتا تھا اور وہ اپنے پیرووں کو، مریدوں کو، داعیوں اور نقیبوں کے ذریعہ ان باطنی معانی کے اسرار و رموز بتاتا تھا۔ قرآن مجید کے معانی ظاہری تنزیل کہلاتے تھے اور معانی باطنی تاویل۔ تاویل کے بغیر قرآن مجید کا مفہوم کبھی روشن نہیں ہو سکتا۔ تاویل کا علم، قرآن مجید کے باطنی معانی کا علم صرف خانوادۂ رسولؐ کے ارکان کو حاصل ہو سکتا ہے اور وہی اس علم کے وارث ہیں یہ علم کہ قدسی اور لدنی ہے انہیں ہی کے ذریعہ دُنیا میں منتشر ہوتا ہے۔

اسماعیلی مسلک کے داعی نقیب اور مبلغ اپنے مسلک کی اشاعت میں پہلے سننے والوں کے دل میں مسائل مذہبی سمجھنے کا اشتیاق پیدا کرتے تھے سب سے پہلے تو ان کو یہ ثابت کرنا ہوتا تھا کہ ہم لوگ جو سات اماموں کو برحق مانتے ہیں راستی پر ہیں۔ اس لئے سات کے عدد کے پُراسرار ہونے پر بہت زور دیتے تھے مثلاً کہتے تھے، سیارے سات ہیں ہفتے کے دن سات ہیں، دوزخ کے طبقات سات ہیں، دُنیا کی اقلیمیں سات ہیں، سمندر سات ہیں، امام بھی سات ہونے چاہیئے اور سات ہی ہیں[2]۔ خلفائے فاطمی مصر آخری

---

[1] W. IVANOV ایک روسی عالم جس کی دو کتابیں مشہور ہیں (۱) اسمٰعیلی تحریک کا مزعومہ مؤسس (انگریزی) بریل ہالینڈ ۱۹۴۸ء (۲) اسمٰعیلی تحریک کی ابتدائی صورت (مطالعات) (انگریزی) تھیکر اینڈ کمپنی بمبئی ۱۹۴۶ء۔ [2] سات کا عدد واقعی ہے پُراسرار کہ ان تمام چیزوں کے علاوہ جن کا ذکر ہو چکا گیا ہے جام جمشید کے خط بھی سات تھے موسیقی کی بنیادی سُریں بھی سات ہیں کہ سپتک کہلاتی ہیں تصوف کے احوال و مقامات میں بھی سات کا عدد اہمیت رکھتا ہے۔

امام کی اولاد ہیں اور دنیا پر حکومت کرنا ان کا حق ہے ان کے علاوہ اسلامی ممالک کے سب فرمانروا غاصب ہیں خلفائے فاطمی حکومت کے علاوہ منصب امامت پر بھی فائز ہیں اور دین حقہ کے تمام اسرار و رموز ان پر روشن ہیں، ان کے نقیبوں اور مبلغوں سے علم حاصل کرنے کے بعد انسان اپنی عقل و خرد کا صحیح استعمال کر سکتا ہے جن لوگوں کو اسماعیلی عقائد کی تعلیم سے بہرہ یاب کیا جاتا ہے ان کے مختلف مقامات تھے ان مقامات کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عوام: یہ وہ لوگ تھے کہ ابھی اسرار و رموز سے آشنا نہ ہوئے تھے لیکن ان کے دل میں دین حقہ کے رموز دریافت کرنے کا اشتیاق پیدا ہو گیا تھا۔

(۲) لصیق: (مقلد) یہ لوگ عوام سے بلند رتبہ تھے اور داعیوں کی بدولت کچھ اسرار و رموز سے آگاہ کر دیئے گئے تھے لیکن ان کی فہم ابھی ناقص اور محدود تھی ان کو حکم تھا کہ مبلغوں کے احکام پر بے چون و چرا عمل کریں اور ان کے اعمال کی تقلید کریں۔

(۳) فدائی: یہ لوگ گویا فرقہ کی ریڑھ کی ہڈی تھے، تحریک کی حقانیت پر ایمان لے آئے تھے اور مقلدوں کے مقام سے آگے بڑھ کر جاں فشانی اور جاں نثاری کے مقام تک پہنچ گئے تھے۔

(۴) رفیق: یہ فدائیوں سے بھی زیادہ بلند مقام رکھتے تھے ان کی ذہنی تربیت ایسی کی جاتی تھی کہ دوسروں کو متاثر کر سکتی تھی، اس گروہ میں صرف وہ لوگ شامل ہوتے تھے جو علوم سے آشنا ہوں اور استعداد رکھتے ہوں۔

(۵) داعی: دعوت دینے والے نقیب مبلغ۔ یہ اسماعیلی تحریک کے تمام رموز و اسرار سے باخبر ہوتے تھے اور علوم معقول و منقول میں مہارت رکھتے تھے ان کے انتخاب میں بڑی سختی سے کام لیا جاتا تھا۔ ان کی پرہیزگاری اور تقویٰ مسلم ہوتا تھا کہ عامۃ المسلمین فوراً متاثر ہو جائیں یہی لوگ دور دور تک پھیل کر اسماعیلی تحریک کو زندہ و توانا رکھتے تھے۔

(۶) داعی کبیر: یہ داعیوں کا سردار ہوتا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ مقام بڑی مشکل سے حاصل ہوتا تھا عام طور پر داعی کبیر کا قیام قاہرہ ہی میں ہوتا تھا

(۷) داعی الدعاۃ: تمام نقیبوں اور مبلغوں کا سردار تمام اسرار و رموز سے آگاہ قاہرہ کے ایوان اکبر کا نگران کبھی اس سے مراد امام کا نائب بھی لیتے تھے۔ "دعوتِ جدید" کے بعد اسماعیلی تحریک کا تمام نظام بہ تمام و کمال ایران میں رائج نہیں رہا حسن بن صباح نے جو سلطنت قائم کی تھی اس کا ایک اپنا نظام تھا جو کم و بیش پرانے نظام کے مطابق تھا لیکن جس میں بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ترمیم کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

تمام اسماعیلی فرقے قرمطی ہوں یا کوئی اور عامۃ المسلمین کو بے دین تصور کرتے تھے، اور ان کے فرمانرواؤں کو غاصب۔ مشرک۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں حسن بن صباح کے فریق کے لوگ بھی ایران کے فرمانرواؤں سے برسر پیکار رہتے ہوں گے ایسا ہی تھا اور اسماعیلی (دعوتِ جدید کے علمبردار) ایسا بھی کرتے تھے کہ اپنے مضبوط قلعوں سے نکل کر ناگہاں مسلمانوں کی بستیوں اور آباد شہروں پر جا پڑتے تھے اور لوٹ مار مچانے کے بعد اپنے قلعہ کو لوٹ جاتے تھے۔ ملک شاہ[1] کی وفات کے بعد سلجوقی سلطنت میں جو انتشار پیدا ہوا اس

---

[1] ۴۸۵ھ میں نظام الملک اور ملک شاہ دونوں وفات پا گئے اور ان کے بعد برکیارق (پسر ملک شاہ) ترکان خاتون (زوجہ ملک شاہ) اور محمد (پسر ملک شاہ) کے درمیان اختلافات کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ سلاجقہ کبیر کی عظمت کا آفتاب گویا گہنا ہی گیا۔ اگرچہ سنجر کی وفات تک (۵۵۲ھ) سلاجقہ کبیر کا دور گنا جاتا ہے لیکن درحقیقت ملک شاہ اور نظام الملک کی وفات کے بعد سلجوقیوں کی وہ دھاک نہ رہی جو پہلے تھی ہاں بہ ظاہر طمطراق اور جاہ و جلال میں کمی نظر نہ آتی تھی۔

کی وجہ سے اسماعیلیوں کو یہ موقع ملا کہ انھوں نے اپنی طاقت بھی بڑھالی، انکی یورشیں بھی زیادہ ہونے لگیں بچارے عوام دربار تک اپنی شکایات پہنچاتے تھے لیکن وہاں تو جانشینی کے مسائل اور متعلقہ امور نے خلفشار کی کیفیت پیدا کر رکھی تھی اس لئے کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا حسن بن صباح کی وفات کے بعد جو لوگ اسماعیلیان ایران کی سرداری کے منصب پر فائز ہوئے اور شیخ الجبل کہلائے انکے نام اور سنین وفات بہ تفصیل ذیل ہیں[1]:

(۱) کیا بزرگ - حسن کا رفیق تھا - (متوفی ۵۳۲ھ) (۲) محمد بن حسن - (متوفی ۵۵۷ھ)

(۳) حسن بن محمد (متوفی ۶۰۷ھ) (۴) جلال الدین حسن (متوفی ۶۱۸ھ)

(۵) علاء الدین محمد (متوفی ۶۵۳ھ)[2]

علاء الدین کا بیٹا رکن الدین خورشاہ آخری شیخ الجبل تھا جس کے عہد میں ہلاکو خاں نے اسماعیلیوں کا زور توڑ دیا - یوں تو ہلاکو خاں کو ۶۵۱ ہجری ہی میں اسماعیلیوں اور خلافت عباسی کے استیصال کیلئے مقرر کیا گیا تھا، لیکن وہ آہستہ آہستہ اپنا لاؤ لشکر لے کر تقریباً دو سال کے بعد ایران پہنچا، راہ میں مفید اطلاعات بھی حاصل کرتا گیا اور مطیع و مسخر مسلمان سرداروں کی معاونت سے حشر کا انتظام بھی ہوتا رہا - ہلاکو خاں منگو قاآن کی عیسائی زوجہ سرقویتی کا لڑکا تھا، اس خاتون کی دانائی، دانشمندی، فراست اور تدبر کا دور دور تک شہرہ تھا اور قاآن اس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا تھا - اس نے اپنے لڑکوں کو نہایت اہتمام سے فنون جنگ کی تربیت دلائی اور سیاست کے داؤں پیچ سے بھی - ظاہر ہے کہ آگاہ کیا تھا - صاحب جہانکشائے جوینی لکھتے ہیں کہ سرقویتی مسلمانوں کی تالیف قلب کا خاص طور پر خیال رکھتی تھی اور اسکے حکم سے بخارا میں ایک عالی شان مدرسہ تعمیر ہوا جس کے متولی اور نگران شیخ الاسلام سیف الدین الباخرزی تھے - اس مدرسے کی مالی مساعدت کیلئے کچھ گاؤں بھی مضافات میں خرید کر اس کیلئے وقف کر دیئے گئے - ہلاکو اسی دانا، مدبر اور مصلحت کوش ماں کے سایہ تربیت میں پل کر جوان ہوا تھا اور دنیا کی ہر اونچ نیچ سے واقف تھا - یہاں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ منگولوں کو اسماعیلیوں سے کیا عداوت تھی کہ ایک خاص جلسۂ مشاورت منعقد کر کے ان کو برباد کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور یہ کام ہلاکو خاں کے سپرد کر دیا گیا (اسی کو خلافت عباسیہ کے استیصال پر مامور کیا گیا تھا) اسمٰعیلیوں کی بیخ کنی کی ظاہری وجہ تو یہ ہے، کہ خود ایران کے مسلمان برابر منگول امیروں کو اس بات پر آمادہ کرتے رہتے تھے کہ اسماعیلیوں کا سدباب کریں، اسکی وجہ یہ تھی کہ اسماعیلی فرقے کے غالی پیرو اکثر پہاڑی قلعوں سے اتر کر انکی بستیوں اور شہروں پر حملہ کر کے انھیں سخت نقصان پہنچاتے تھے اسماعیلیوں کے گڑھ تو گویا ولایت طالقان کے پہاڑ تھے، اور رودبار الموت اور ان مقامات کے گرد و نواح میں ان کے ۵۰ کے قریب مستحکم اور بظاہر ناقابل تسخیر قلعے تھے ان میں مشہور ترین قلعے تین تھے: (۱) الموت - (۲) لنبہ سر، یا لمسر یا لامسر - (۳) میمون دز[3] -
اس کے علاوہ قومس اور قہستان میں بھی اسماعیلیوں کے نہایت مضبوط قلعے تھے، ان قلعوں کی حکمرانی ایک شخص کے سپرد تھی

---

[1] عبدالرزاق - مصنف نظام الملک طوسی نے حسن بن صباح کے حالات قلمبند کرنے کے سلسلے میں اسکے جانشینوں کے سوانح بھی بہ اختصار قلمبند کئے ہیں لیکن انہوں نے جو سنین وفات دیئے ہیں ان میں اور جہاں کشائے جوینی کے سنین میں بعض مقامات پر اختلاف ہے میں نے جوینی ہی کو ترجیح دی ہے -

[2] جلال الدین اور علاء الدین کی موت پراسرار طریقہ پر ہوئی - روایت ہے کہ جلال الدین اسلئے قتل کر دیا گیا کہ اس کو مسلک کی صداقت پر شبہ تھا -

[3] دز فارسی میں قلعے کو کہتے ہیں مگر حرف اوّل دزائے عربی (غیاث اللغات) اور یہی مصنف ذکو زائے فارسی بھی بتاتے ہیں

جسے محتشم کہتے تھے اور یہ محتشم اپنے ساتھ بیوی بچے نہیں رکھتے تھے گویا ہر وقت آمادہ جدال و قتال رہتے تھے۔ الموت کا قلعہ گویا اسماعیلیوں کا پایہ تخت تھا، رودبار الموت سے قزوین تک چھ فرسخ سے زیادہ کا فاصلہ نہیں ہے۔ اس شہر کے لوگ سنت الجماعت تھے اور اپنے عقیدے میں بہت راسخ تھے، انکے اور اسماعیلیوں کے گروہوں کے درمیان ہمیشہ چپقلش سے لیکر قتال و جدال تک سبھی مرحلے طے ہوتے تھے۔ صاحب کتاب الفخری لکھتے ہیں کہ ملک امام الدین یحییٰ بن افتخاری بیان کرتے تھے کہ جب ہم قزوین میں تھے تو سورج ڈھلتے ہی اپنا سارا مال و اسباب تہ خانوں میں پہنچا دیتے تھے کہ اسمٰعیلیوں کے حملے سے ڈرتے تھے، دن چڑھتا تھا تو پھر چیزیں نکال کر استعمال کرتے تھے۔ صاحب طبقات ناصری بھی اس قسم کے واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کئی بار منگول حکمرانوں کے دربار میں سفارتیں ارسال کیں کہ اسماعیلیوں کے عذاب سے ان کو نجات دلائی جائے۔ ایک امر تو یہ تھا کہ منگولوں کے مطیع مسلمان امیر انکو اسماعیلیوں کی بیخ کنی پر آمادہ کرتے رہتے تھے دوسری صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ جب چنگیز خاں ایران آیا ہے تو اسماعیلیوں کے فرمانروا جلال الدین حسن (متوفی ۶۱۸ ہجری) نے اسکی متابعت قبول کر لی لیکن چنگیز خاں کی واپسی کے بعد جب علاء الدین منکبرنی نے منگولوں کو بعض مقامات پر شکست دی تو اسماعیلیہ بھی چنگیز خاں سے منحرف ہو گئے، یہ انحراف بھی منگو قاآن کو ناگوار گذرا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ہلاکو خاں کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ خلافت عباسیہ کا استیصال کر دے، تو اسکی وجوہ ظاہر ہیں، منگول یہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ ایک ایسا خاندان (خواہ برائے نام ہی سہی) ممالک اسلامی میں حکمران رہے، جسکی عظمت کا اثر تمام مسلمانوں کے قلوب پر ہو اور جو کسی وقت تدابیر سیاسی سے کام لیکر مختلف النوع اسلامی عناصر کو یکجان کر کے منگولوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ منگولوں کو یہ بات ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ جبتک خلفائے عباسی کا خاندان باقی رہے ایران اور ملحقہ ممالک ایران کی حکومت پائیدار نہیں ہو سکتی ہلاکو خاں، ۶۵۱ھ میں ایک لاکھ سے زیادہ فوج لیکر ایران کی طرف بڑھا اور ایک عیسائی امیر کیتو بوقا کو ۱۲۰۰۰ سپاہی دیکر مقدمہ کے طور پر روانہ کیا۔ اس سردار نے کچھ قلعے ضرور مسخر کئے لیکن اسماعیلیوں نے اس کا ایسا سخت مقابلہ کیا کہ دانت کھٹے کر دیئے۔ ان دنوں قہستان کا محتشم (والی فرمانروا) ناصر الدین عبدالرحیم بن ابی منصور تھا۔ سیاست ملکی کے رموز تو جانتا ہی تھا، عالم و فاضل بھی تھا، اور اس نے ہمیشہ فضلا اور ادبا کی قدردانی کی تھی۔

ہلاکو خاں کو معلوم ہوا کہ کیتو بوقا کو تسلی بخش فتوحات نصیب نہیں ہوئیں تو خود اپنا لاؤ لشکر لے کر سمرقند پہنچا یہیں امیر ارغون حکمران ایران مشرقی (جن کی خدمت میں عطا ملک مولف جہاں کشائے جوینی نے کئی سال بسر کئے تھے) اور ملک شمس[1] الدین کرت اسکی خدمت میں حاضر ہوئے (ان دنوں شمس الدین کرت ہرات فیروزکوہ اور غرجستان کا فرمانروا تھا) ۶۵۲ھ میں ارغون نے اپنے دبیر اور منشی ہلاکو کی خدمت میں پیش کر دیئے (انہیں میں عطا ملک جوینی بھی تھا) ہلاکو آگے بڑھ کر طوس پہنچا تو ملک شمس الدین کو قہستان کے محتشم ناصر الدین کے دربار میں سفیر بنا کر بھیجا اور پیغام بھجوایا کہ میری متابعت کر لو تو خیر ورنہ سخت تکلیف اٹھاؤ گے۔ ناصر الدین شمس الدین کے سمجھانے بجھانے کے باعث ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی متابعت اختیار کر لی ہلاکو نے اسے تون کا حاکم بنا کر بھیجا۔ یاد رہے یہی ناصر الدین تھے جس کے نام سے نصیر الدین طوسی نے اپنی مشہور کتاب "اخلاق ناصری" منسوب کی ہے) قہستان کی مہم سے فارغ ہو جانے کے بعد ہلاکو، خورشاہ (آخری فرمانروائے اسماعیلیہ) سے

---

[1] ملک کرت کا ذکر تفصیل سے آگے آتا ہے، اس سلسلہ نے بھی منگولوں کی اطاعت قبول کر کے اپنی مقبوضات کو غارتگری سے بچا لیا۔

گفت و شنید میں مصروف ہو گیا، خورشاہ نے ایک سفارت ہلاکو خاں کی خدمت میں بھیجی جس میں نصیر الدین طوسی بھی شامل تھا۔ ہلاکو خاں نے سفارت کے اراکین سے کہا کہ اگر خورشاہ کے دل میں واقعی متابعت کا خیال ہے تو اپنے قلعوں کو خود ہی مسمار کر دے اور ہماری خدمت میں حاضر ہو جائے ہم اس کو درجات عالی پر سرفراز کریں گے۔ خورشاہ نے جزوًا اس حکم کی پیروی کی لیکن ہلاکو خاں جزوی تعمیل احکام سے رضامند نہ ہوا۔ اس نے میمون دز کا محاصرہ کر لیا اور جب خورشاہ نے دیکھا کہ اب مزاحمت بیکار ہے اور ہلاکو قلعے کو برباد کر دینے کے درپے ہے تو قلعے سے اترا۔ سال ۶۵۴ھ تھا ذی القعدہ کا مہینہ تھا اور پہلی تاریخ تھی کہ خورشاہ نے ہلاکو خاں کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین کو بوسہ دیا اور یوں اسماعیلیوں کی سلطنت جو ۱۷۷ سال تک قائم رہی تھی برباد ہو گئی۔

خواجہ نصیر الدین طوسی نے قطعہ لکھا :

سال عرب چو شش صد و پنجاہ و چار شد — یک شنبہ اول مہ ذی القعدہ بامداد
خورشاہ بادشاہ اسماعیلیان ز تخت — برخاست پیش تخت ہلاکو بہ ایستاد

خورشاہ کی متابعت کے بعد اسماعیلیوں کا زور ٹوٹ گیا ہلاکو نے کم و بیش سب قلعے مسمار کرا دیئے فقط گرد کوہ، لنبہ سر اور الموت کے قلعے کے لوگ مقابلہ کرتے رہے، لیکن تابکے آخر یہ قلعے بھی مسخر ہو کر رہے جب منگول الموت کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انکو حکم ملا کہ اسماعیلیوں کی تمام کتابیں جو بیشتر علوم معقول کے متعلق تھیں اور جن کی بنا پر الموت کا کتب خانہ یگانۂ روزگار تصور کیا جاتا تھا، جلا دی جائیں، عطا ملک جوینی اس وقت علم و فن کے آڑے آیا اس نے ہلاکو خاں سے اجازت لی کہ کتبخانے میں سے جو کتابیں مفید مطلب ہوں جدا کر لی جائیں اور جلائے جانے سے محفوظ رہیں۔ اسکے بعد عطا ملک نے خود اپنے قول کے مطابق نفیس اور مفید کتابیں علیحدہ کر لیں اور جو کتابیں اصول و فروع دین اسماعیلیہ کے متعلق تھیں وہ جلا دی گئیں۔ ان کتابوں کے جلنے سے اسماعیلیوں کے عقائد بہت حد تک نظروں سے اوجھل ہو گئے تاہم ایک کتاب جوینی نے علیحدہ کر لی کہ اس کی اہمیت تاریخی تھی اس کتاب کا نام سرگذشت سیدنا ہے۔ اور یہ فرمانروایانِ اسماعیلی کی تاریخ ہے، جوینی نے بہ اختصار اس کے مندرجات سے اپنی تاریخ میں کام لیا ہے۔ اور جامع التواریخ رشیدی میں اسی کتاب کے اقتباسات زیادہ مفصل نظر آتے ہیں۔ خورشاہ کی بظاہر تو ہلاکو نے بہت تکریم و تعظیم کی اور ایک منگولی خانم کو اس کے عقد نکاح میں بھی دے دیا لیکن دل میں وہ اس کی طرف سے ہمیشہ بدظن رہا۔ ہلاکو کے حکم سے اسماعیلیوں کو چن چن کے ہلاک کیا گیا اور خورشاہ کو منگو قاآن کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ منگو قاآن نے اسکی طرف التفات نہ کیا اور آخر خورشاہ ایران لوٹا تو راہ میں دریائے جیحون کے کنارے کچھ منگولوں نے اسے ٹھکانے لگا دیا۔ یہ ۶۵۵ھ کا واقعہ ہے۔ ہلاکو خاں نے خورشاہ کے لڑکوں، بھائیوں اور بہنوں کو بھی ہلاک کروا دیا۔ اس کے باوجود اسماعیلیوں کا ظہور ایران کے مختلف گوشوں سے ہوتا رہتا تھا اور ۷۱۴ ہجری تک اسماعیلی تحریک کے آثار ایران میں نظر آتے تھے۔ اسکے بعد یہ تحریک کم از کم ایران میں گویا بالکل ختم ہو گئی۔

مولانا جعفر شاہ ندوی

قرآن میں چوری کی سزا

(احادیث کی روشنی میں)

قرآن کریم میں ایک بالکل واضح حکم یوں دیا گیا ہے:-

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما جزاءً بما کسبا نکالاً من اللہ واللہ عزیز حکیم۔

سارق اور سارقہ کے ہاتھ کاٹ دو، یہ انکے کرتوت کی سزا بھی ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت بھی اور اللہ (تعالیٰ) غالب و دانا ہے۔

اب اس حکم کے متعلق بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں:-

(۱) قطع ید کے کیا معنی ہیں اور کن کن باتوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے؟

(۲) کیا ہر چوری کی یہی ایک سزا ہے؟

(۳) کیا کوئی چوری ایسی بھی ہے جہاں سرقے کا پورا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے یہ سزا نہ دی جائے؟

(۴) کیا اس جرم کے لئے متبادل سزائیں بھی ہو سکتی ہیں؟

(۵) کیا یہ جرم (سرقے کا اطلاق ہونے کے باوجود) کبھی قابلِ معافی بھی ہو سکتا ہے؟

(۶) اس سزا کا مقصد ہاتھ ہی کٹوانا ہے یا اصلاح کرنا؟

(۷) اگر چور تائب ہو جائے تو سزا سے بچ سکتا ہے؟

غرض اس طرح کے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں اور مختلف ادوار میں ان پر گفتگوئیں بھی ہوتی رہی ہیں۔ قبل از اسلام بھی بعض جگہوں پر اسی سزا کا پتہ چلتا ہے اس لئے بعض متفرنج اس کی جزئیات پر غور کئے بغیر اسے دورِ وحشت کی یادگار بھی قرار دیتے ہیں۔ ہم اس وقت اس مسئلے پر زیادہ تر احادیث کی روشنی میں اور کہیں کہیں خود قرآن کی روشنی میں ایک سرسری نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

سب سے پہلے حدود کے متعلق ایک اصولی حکم یاد رکھئے اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اجرائے حد سے بچنا چاہیئے۔ کوئی ضعیف بنیاد بھی مل جائے تو حدود سے حتی الامکان اجتناب کا بہانہ پیدا کر لینا چاہیئے۔ یہ مضمون ان

احادیث میں ہے :-

۱- ادرءوا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان لہ مخرج فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر لہ من ان یخطئ فی العقوبۃ - (ترمذی، حاکم، ابن ابی شیبۃ، بیہقی عن عائشہؓ)

تم سے جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمانوں کو حدود سے بچاؤ۔ کوئی صورت بھی اس سے محفوظ رہنے کی نکل سکے تو اسے بچالو، کیونکہ امام کے لئے معافی میں چوک جانا سزا میں چوک جانے سے بہتر ہے -

۲- ادفعوا الحدود عن عباد اللہ ما وجدتم لہ مدفعا (ابن ماجہ عن ابی ہریرہ)

کوئی صورت بھی بچاؤ کی پیدا ہو تو اللہ کے بندوں کو حدود سے بچا لیا کرو۔

۳- ادرءوا الحدود بالشبہات - (مسند ابی حنیفہ للحصفکی والخوارزمی عن ابی حنیفہ عن مقسم عن ابن عباسؓ مرفوعًا) یعنی کوئی شبہہ پیدا ہو جائے تو حدود اٹھالو -

۴- ماعز نامی ایک شخص نے بدکاری کی - ہزال نے انھیں حضورؐ کے پاس جانے کی تاکید کی - ماعز نے چار خلفیہ شہادت دی اور حد شرعی لگائی گئی، مگر حضورؐ نے ہزال سے فرمایا :

لو سترتہ بثوبك كان خیرالك

اگر تم ماعز کو دامن پوشش میں چھپا لیتے تو تمہارے لئے زیادہ بہتر تھا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان پردہ پوشی ہی بہتر ہے -

اب سب سے پہلے سرقے کی سزا کے متعلق چند احادیث سنئے :

۱- ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی بلص قد اعترف اعترافا ولم یوجد متاع فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما اخالك سرقت، قال بلی، فاعاد علیہ مرتین اوثلاثا کل ذلك یعترف فامر بہ فقطع .... (نسائی وابوداؤد عن ابی امیہ)

حضورؐ کے پاس ایک چور کو لایا گیا جس کے پاس کوئی مال نہ ملا مگر اس نے چوری کا اعتراف کر لیا۔ حضورؐ نے اس سے فرمایا، کہ مجھے تو گمان نہیں کہ تم نے چوری کی ہو گی۔ حضورؐ نے دو یا تین بار اس بات کو دہرایا، مگر وہ ہر بار اپنی چوری کا اقرار ہی کرتا رہا - آخر حضورؐ نے حکم دیا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا -

۲- عباد بن شرجبیل کو ایک واقعہ پیش آیا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے :

عباد بن شرجبیل قحط کے زمانہ میں ایک کھیت میں گھس گئے کچھ غلہ توڑ کر کھا لیا اور کچھ اپنے کپڑے میں رکھ لیا، اتنے میں مالک آپہنچا۔ اس نے انھیں مارا بھی اور کپڑا بھی چھین لیا - اور حضورؐ کے پاس لیکر آیا۔ حضورؐ نے